پروفیسر رشید احمد

غزالی کے سیاسی افکار

تاریخ اسلام میں خراسان کے صوبے کو بہت اونچا مقام حاصل ہے۔ یہ صوبہ بے شمار سیاسی، سماجی اور مذہبی تحریکوں کا آماجگاہ بنا رہا۔ اسی صوبے میں طوس نامی ایک ضلع ہے جو اب مشہد کہلاتا ہے جس میں امام علی رضا اور ہارون الرشید جیسے گنجہائے گرانمایہ مدفون ہیں اور اسی ضلع نے فردوسی، نظام الملک اور غزالی جیسی نامور ہستیوں کو جنم دیا۔

حالاتِ زندگی

امام غزالی کا نام محمد، کنیت ابو حامد اور خطاب حجۃ الاسلام ہے۔ ان کے والد بھی محمد کہلاتے تھے اور دادا بھی اسی نام سے مشہور تھے۔ البتہ پردادا کا نام احمد تھا۔ امام صاحب ۴۵۰ھ مطابق ۱۰۵۸ء میں طوس کے مقام طاہران میں پیدا ہوئے۔ اسی سال ماوردی نے وفات پائی۔

غزالی کی وجہ تسمیہ میں بڑا اختلاف ہے۔ اکثر مورخین اور ارباب سیر کا دعویٰ ہے کہ لفظ غزالی کا مادہ غزل ہے جس کے معنی کاتنے کے ہیں امام صاحب کے والد سوت کا کاروبار کرتے تھے اسی نسبت سے وہ غزالی کہلائے۔ ابن خلکان کی بھی یہی رائے ہے۔ اس نظریئے کے حامی غزالی کی "ز" کو مشدد پڑھتے ہیں۔ اس کے برخلاف ایک جماعت جس میں علامہ سمعانی بھی شامل ہیں، اس بات کی قائل ہے کہ طوس کے ضلع میں غزالہ نامی ایک گاؤں تھا امام صاحب اسی گاؤں کے رہنے والے تھے اور اسی نسبت سے وہ غزالی کہلائے۔ یہ لوگ غزالی کی "ز" کو مشدد نہیں بلکہ مخفف پڑھتے ہیں۔ مولانا شبلیؒ نے پہلے نظریہ کی تائید کی ہے اور دوسرے کے غلط ہونے کی صرف یہ دلیل دی ہے کہ طوس میں غزالہ نام کا کوئی گاؤں نہیں۔ آٹھ نو سو سال کے بعد ایک گاؤں کے ہونے یا نہ ہونے کا پتہ چلانا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ غزالہ نامی کوئی گاؤں تھا یا نہیں۔

امام صاحب نے ابتدائی تعلیم طوس ہی میں حاصل کی پھر وہ نیشاپور پہنچے جہاں امام الحرمین جوینی اور امام المعالی جیسے بزرگوں کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ انہوں نے مشہور سلجوقی وزیر نظام الملک تک رسائی حاصل کی۔ ۴۸۴ھ مطابق ۱۰۹۱ء میں وہ بغداد کے کالج نظامیہ میں معلم کے عہدے پر فائز ہوئے اس وقت ان کی عمر صرف ۳۴ برس کی تھی۔ اتنی کم سنی میں نظامیہ کے مسند درس پر کوئی اور متمکن نہیں ہوا۔ دار الخلافہ کے قیام کے دوران غزالی اپنے علم و فضل کے ذریعے ارکانِ سلطنت کے ہمسر ہوگئے حتیٰ کہ سلطنت کے اہم امور آپ ہی کے مشوروں سے انجام پاتے تھے۔ قیام

بغداد کا یہ چار سالہ مختصر دور امام صاحب کی زندگی کا بہترین زمانہ ہے۔ انہوں نے نہایت پُرشکوہ زندگی گزاری حتیٰ کہ ان کے کپڑوں اور سواری کی قیمتوں کا تخمینہ فقیہ ابو المنصور نے پانچ سو اشرفیاں لگایا ہے۔

لیکن شان و شوکت کا یہ دور زیادہ عرصہ نہ رہا۔ ۴۸۸ھ مطابق ۱۰۹۵ء میں غزالی ۳۸ سال کی عمر میں تارک الدنیا ہو گئے۔ بغداد سے نکل کر دمشق پہنچے وہاں تدریس کے ساتھ ساتھ مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ دو سال دمشق میں قیام رہا پھر بیت المقدس جا نکلے پھر عازم حرمین شریفین ہوئے مکہ معظمہ میں ایک طویل قیام کے بعد انہوں نے مصر و اسکندریہ کا بھی سفر کیا۔ آخر کار اہل و عیال کی محبت انہیں وطن کھینچ لائی۔ نظام الملک کے بیٹے فخر الملک کے شدید اصرار سے مجبور ہو کر نیشاپور میں کچھ دنوں درس و تدریس میں بھی مصروف رہے لیکن جلد ہی اس عہدے سے سبکدوش ہو کر طوس چلے گئے اور خانہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی۔ گھر کے قریب ہی ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ کی بنیاد ڈالی جہاں وہ آخری دم تک ظاہری اور باطنی علوم کی اشاعت میں مشغول رہے۔ امام غزالی نے ۵۰۵ھ مطابق ۱۱۱۱ء میں بعمر ۵۵ سال انتقال فرمایا۔

تصانیف

غزالی نے کل ۵۵ سال کی عمر پائی اس کے باوجود تمام علوم متداولہ مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، علم الکلام، تعلیم، وعظ و مناظرہ وغیرہ میں اس قدر مہارت حاصل کی کہ ہمعصروں سے گوئے سبقت لے گئے فلسفہ میں تو وہ ایک مستقل مکتب خیال کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔ روحانیات میں تو انہوں نے وہ عالی مقام حاصل کیا جو بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہو سکا۔ درس و تدریس، مجاہدہ و ریاضت، سفر و سیاحت، حج و زیارت میں مشغول رہنے کے باوجود انہوں نے پچاس سے اوپر کتابیں لکھیں اور ان میں ایک سے ایک ضخیم کتابیں شامل ہیں۔ یاقوت التاویل فی تفسیر التنزیل" کے نام سے علم تفسیر پر ایک کتاب لکھی جس کی چالیس جلدیں ہیں۔ پھر یہ تصانیف اسلامی علوم تک محدود نہ تھیں۔ غزالی نے دیگر مذاہب پر بھی کتابیں لکھیں۔ القول الجمیل فی الرد علی من غیر الانجیل، میں انجیل کے مروجہ نسخوں پر تنقید کی ہے۔ باطنیہ، اسماعیلیہ اور امامیہ مذاہب کے رد میں انہوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ غزالی کی تصانیف کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان میں عربی کے علاوہ فارسی زبان کو بھی استعمال کیا گیا ہے۔

ہمیں غزالی کی صرف انہیں تصانیف سے سروکار ہے جو بلا واسطہ یا بالواسطہ سیاسیات سے متعلق ہیں۔ اس سلسلہ کی اہم ترین تصنیف 'المنقذ من الضلال' ہے۔ اس کتاب میں امام صاحب نے علوم کی قسمیں گنوائی ہیں پھر ہر علم کی تعریف اور موضوع بیان کرنے کے بعد ایک علم کا تعلق دوسرے علم سے ظاہر کیا ہے۔ پھر ان علوم کی گروہ بندی بھی کی ہے۔ سیاست کے متعلق لکھا ہے کہ یہ علم آسمانی کتابوں سے حاصل ہوتا ہے جو رسولوں کے ذریعہ انسانوں تک پہنچی ہیں۔ یا سلف صالحین کے احکام و اقوال سے علم سیاست کے اصول ماخوذ ہیں۔

غزالی کی دوسری گرانمایہ تصنیف احیاء العلوم ہے۔ یہ کتاب امام صاحب نے اپنے دس سالہ سیر و سیاحت کے دوران میں لکھی۔ یہ نادر معلومات کا ذخیرہ ہے۔ اس کتاب کی چار جلدیں ہیں۔ پہلی کتاب کا موضوع عبادات ہیں جس میں عقائد و عبادات پر نئے انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسری جلد عادات سے متعلق ہے جس میں زندگی کے ہر ہر شعبہ کے مختلف کاموں کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ تیسری جلد میں مہلکات سے بحث کی گئی ہے۔ فطرتِ انسانی اور اجتماع کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ ہمارے نقطۂ نظر سے یہ جلد تمام جلدوں سے زیادہ اہم ہے۔ چوتھی اور آخری جلد میں منجیات زیر بحث آئے ہیں۔ اور اخلاق فاضلہ بالتفصیل بیان کئے گئے ہیں۔ احیاء العلوم میں جابجا غزالی کے سیاسی افکار ملتے ہیں۔ جن میں مملکت کی ابتداء، بادشاہ کی ضرورت اور معاشی مسائل شامل ہیں۔

غزالی کی ایک اور تصنیف تبر المسبوک ہے جو سیاسیات و اخلاقیات کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں ملک شاہ سلجوق کے بیٹے غیاث الدین ابو شجاع محمد کو امور مملکت کی انجام دہی میں زریں مشورے دیئے گئے ہیں۔ ان مشوروں سے غزالی کے سیاسی نظریات کی وضاحت ہوتی ہے۔

کیمیائے سعادت میں غزالی نے احیاء العلوم کا خلاصہ لکھا ہے۔ اور عوام کے مستفید ہونے کے خیال سے زبان فارسی استعمال کی گئی ہے۔ اس کتاب میں بطور مقدمہ معرفت کے باب کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ معرفتِ نفس کے سلسلہ میں انسانی قوائے ظاہری و باطنی کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔ جس سے انسان کی متضاد قوتیں اور اس کی اعلیٰ صلاحیتیں معلوم ہوتی ہیں۔

کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد اگرچہ بنیادی طور پر عقائد کی کتاب ہے لیکن اس میں بھی جابجا سیاسی اصول بیان کئے گئے ہیں۔ بالخصوص سلطان کی عزت و احترام پر بہت زیادہ زور بیان صرف ہوا ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ غزالی کی فقہی تصانیف وسیط، بسیط اور بالخصوص وجیز میں سیاسی مسائل حل کئے گئے ہیں۔

امام غزالی کی ایک اور تصنیف سر العالمین ہے۔ اس کی طرز عبارت اور انداز بیان دیگر تصانیف سے قدرے مختلف ہے اس لیے مولانا شبلیؒ نے اس کتاب کے جعلی ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا ہے اور پھر عام تصانیف کے برعکس سر العالمین میں بار بار امام الحرمین کا اسم گرامی بیان ہوا ہے جس نے شبلیؒ کے خیال کو مزید تقویت پہنچائی ہے۔ تاہم یہ بات نظر انداز نہ کرنی چاہیئے کہ امام صاحب کے آخری ۱۶ سال عجیب و غریب طریقے سے گزرے۔ اس عرصے میں ان پر جذب و بے خودی کی کیفیت بھی طاری رہی۔ ان قلبی کیفیات کا اثر ان کی تصانیف پر بھی پڑا۔ ممکن ہے کہ جذب کی شدت میں امام الحرمین کا نام بے ساختہ قلم سے نکل گیا ہو۔ سر العالمین میں رموز مملکت بیان ہوئے ہیں۔

ایک اور تصنیف "فاتحۃ العلوم" کا ذکر ضروری ہے جس میں علوم کی قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ہر ایک علم کے موضوع سے بحث کی گئی ہے۔ ان علوم میں سیاست کا خاص طور پر ذکر ہے۔

اسلوبِ بیان اور طرزِ استدلال

غزالی کا اسلوب بیان نرالا ہے۔ چونکہ ان کی خواہش تھی کہ عوام ان کے خیالات سے بہرہ مند ہوں اسی لیے انہوں نے مروجہ طرز کے خلاف نہایت سلیس اور عام فہم زبان استعمال کی ہے۔ ان کے زمانے میں عربی زبان کی مقبولیت کم ہو چلی تھی اور صفاری اور سامانی حکمرانوں کی توجہ سے فارسی اپنی کھوئی عظمت دوبارا حاصل کر رہی تھی۔ غزالی نے عربی کے علاوہ اپنی تصانیف میں فارسی کو بھی ذریعہ اظہار بنایا ہے۔ جہاں تک ان کی تصانیف کے موضوع کا سوال ہے اس میں اختراع اور جدت کو زیادہ دخل حاصل نہیں ہے۔ نکلسن نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "تاریخ ادب عربی" میں غزالی کے متعلق D - M - MACDONALD کا زریں قول نقل کیا ہے کہ "غزالی نے اپنی تصانیف میں کوئی نیا راستہ تلاش نہیں کیا تاہم وہ اتنی عظیم شخصیت کے مالک تھے کہ روندے ہوئے راستے پر اس طرح چلے کہ اسے شاہراہِ عام بنا کر چھوڑا۔"

غزالی نے عالم طفولیت ہی سے موت و حیات کی گتھیاں سلجھانی شروع کر دی تھیں۔ اس غور و فکر کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے تمام چیزوں کے وجود ہی سے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ حواس اور عقل بھی ان کے نزدیک قابل اعتماد ذرائع نہ رہے۔ انہوں نے تجربات ہی کو علم کا واحد ذریعہ قرار دیا۔ ان تجربات میں ذاتی تجربہ کے علاوہ دوسروں کے تجربے بھی شامل ہیں۔ ان کی رائے میں الہامی کتابیں، انبیاء کے اقوال اور صحابہ اور سلف صالحین کے آثار عمدہ ترین تجربات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غزالی اپنے نظریات کے ثبوت میں قرآنی آیات پیش کرتے ہیں کہیں کہیں توریت و انجیل سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ احادیث تو انہوں نے بیشمار پیش کی ہیں۔ صحابہ کرام نیز مشائخین کے اقوال سے دلائل دیئے ہیں۔ روایات کے سلسلہ میں محدثین کی قائم کردہ روایت و درایت کے اصول کی سختی سے پابندی نہیں کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر ضعیف روایتیں بھی پیش کر دی ہیں۔ اسی لیے وہ ہمعصر اور مابعد محدثین کے اعتراضات کا ہدف بنے۔

غزالی اپنے پیشرو مفکر ماوردی کی طرح شافعی مکتب خیال سے تعلق رکھتے ہیں تاہم ان کا دامن تقلید جامد سے پاک ہے۔ ان کی تصانیف میں عقلیت کی جابجا جھلک ملتی ہے (اگرچہ اصولی طور پر وہ عقل کو یقینی علم کے حصول کا ذریعہ نہیں سمجھتے) مثلاً وہ علم کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے عقلی دلائل کا سہارا لیتے ہیں۔

غزالی کا طرزِ استدلال بہت حد تک تاریخی ہے۔ ماوردی اور نظام الملک کی طرح اپنے نظریات کو ثابت کرنے اور انہیں ذہن نشین کرانے کے لیے وہ تاریخی شواہد بھی پیش کرتے ہیں۔ تاہم ان کی اکثر مثالیں تاریخ اسلام ہی سے ہوتی ہیں۔ طوسی کے خلاف وہ بہت ہی کم یونانی، ایرانی اور ہندی روایات پر اپنی دلیلوں کی بنیاد رکھتے ہیں۔ تاہم ماوردی سے زائد ہی غیر مسلموں کی تاریخ سے مثالیں غزالی نے پیش کی ہیں۔ ایران کی تاریخ

سے وہ اکثر نوشیروان عادل اور اس کے مشہور وزیر بزرجمہر کے اقوال نقل کرتے ہیں۔

غزالی پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو سمجھانے کے لیے ایسی عام فہم مثال دیتے ہیں کہ ہٹ دھرم سے ہٹ دھرم آدمی کو اقرار ہی کرتے بنتا ہے۔ مثلاً یہ بہت بڑا نزاعی مسئلہ تھا کہ انسان کو دنیا سے دل لگانا چاہیئے یا صرف آخرت کا ہو کر رہ جانا چاہیئے۔ اس سلسلے میں دو متضاد رویے اختیار کیے جاتے تھے ایک یہ کہ انسان سراسر اسی دنیا کا ہو کر رہ جاتا اور آخرت سے کوئی سروکار ہی نہ رکھتا اور دوسرے یہ کہ انسان تارک الدنیا ہو کر پہاڑوں کے غاروں کا باسی بن جاتا اور درندوں کی ہمسائیگی اختیار کر لیتا۔ غزالی نے دونوں کے بین بین ایک نئی راہ متعین کی وہ یہ کہ انسان دنیاوی امور میں ضرور مشغول رہے لیکن صرف اتنا کہ وہ ضروریات زندگی مہیا کر سکے تاکہ جسم و جان میں رابطہ قائم رہے۔ اس امر کو ذہن نشین کرانے کے لیے امام صاحب نے نہایت عام فہم مثال دی ہے کہ انسان اس دنیا میں حاجی کے مانند ہے جو خانہ کعبہ کی طرف ایک بہت بڑے قافلے کے ساتھ رواں دواں ہے۔ اگر کوئی حاجی قافلہ کی فرودگاہ پر اترے اور اپنی سواری کے گھاس دانہ اور اس کے بناؤ سنگار میں محو ہو جائے۔ کہیں سے اچھی سے اچھی گھاس لا کر دے اور کہیں سے ٹھنڈا پانی لا کر پلا دے۔ حتیٰ کہ اسی اہتمام میں وہ قافلے سے بچھڑ جائے اور اس کو یہ علم بھی نہ ہو کہ اگر ایسا کروں گا تو حج سے رہ جاؤں گا۔ خود اور سواری دونوں تباہ ہو جائیں گے۔ لیکن جو حاجی ہوشیار ہو گا اس کا دل تو کعبہ اور حج میں لگا رہے گا اور وہ سواری کی خدمت بقدر ضرورت ہی کرے گا۔ تاکہ اس میں طاقت رفتار قائم رہے۔ اسی طرح جو شخص سفر آخرت کے متعلق عقل رکھتا ہے وہ بدن کی ضروری خدمت کرتا ہے۔ غزالی نے دنیا کے مکر و فریب کو سمجھانے کے لیے نہایت عام فہم آٹھ مثالیں دی ہیں جن سے عالم و عامی برابر لطف اندوز ہوتے ہیں۔

سیاسی نظریات

غزالی مسلم مفکرین میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے سیاسیات کی اہمیت سے بحث کی ہے۔ وہ جملہ علوم کی صف میں سیاسیات کو اعلیٰ مقام دیتے ہیں۔ انہوں نے علوم کی دو قسمیں بتلائی ہیں۔ پہلی قسم میں وہ علوم شامل ہیں جو دین سے تعلق نہیں رکھتے وہ اس قسم میں ریاضی، منطق اور طبیعیات وغیرہ کو شامل کرتے ہیں۔ دوسری قسم کے علوم جو شرع سے متعلق ہیں مثلاً ماوراء الطبیعیات، سیاسیات، علم الاخلاق اور علم النفس وغیرہ گویا کہ امام صاحب کے نزدیک سیاسیات ایک دینی علم ہے اور بہت اہم ہے۔ انہوں نے سیاسیات کی تعریف بھی یہ کی ہے کہ وہ علم جو مملکت کے نظم و نسق کے مذہبی اور روحانی امور سے بحث کرتا ہے۔ وہ اصول سیاست کا ماخذ بھی کتب الٰہیہ اور بزرگوں کے احکامات قرار دیتے ہیں۔

مقاصد و اقسام

امام صاحب کے نزدیک انسانی زندگی کے لیے چار چیزیں لابدی اور ضروری ہیں غذا، لباس، مکان اور باہمی تعلقات۔ ان چاروں کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ پھر غذا کے لیے زراعت، لباس کے لیے نوربانی اور مکان کے لیے علم تعمیر اور باہمی تعلقات کے لیے سیاست ضروری ہے۔ ان چاروں فنون میں بھی وہ سیاست کو اہم ترین کہتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک سیاست ہی پر باہمی تعلقات اور خوشگوار زندگی کا دارومدار ہے۔ اسی لیے وہ ماہر سیاست کے لیے اعلیٰ اوصاف سے متصف ہونے کی شرط لگاتے ہیں اور دیگر فن کار مثلاً فلاح، صناع اور معماروں کے لیے ان صفات کو ضروری نہیں سمجھتے۔ ان کا دعویٰ ہے سیاست دان اپنی انہیں صفات کے باعث دوسروں سے خدمت لیتا ہے اور سب کو اپنا تابع اور مطیع سمجھتا ہے۔

غزالی نے سیاست کے چار مراتب بتلائے ہیں۔ سیاست کا اعلیٰ ترین مرتبہ ان کے نزدیک انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سیاست کو حاصل ہے کیونکہ ان کے اوامر و نواہی خاص و عام ہر ایک کو احاطہ کئے ہوئے ہیں اور ظاہر و باطن ہر حال میں واجب التعمیل ہیں۔ دوسرا مرتبہ خلفاء، ملوک اور سلاطین کی سیاست کا ہے۔ ان کے احکامات بھی خاص و عام پر جاری ہوتے ہیں مگر صرف ظاہر پر، باطن ان کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ سیاست کا تیسرا مرتبہ علماء کی سیاست کا ہے۔ یہ علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں ان کے احکامات خواص کے باطن پر جاری ہوتے ہیں نہ تو عوام میں اتنی سمجھ ہوتی ہے کہ وہ علماء سے استفادہ کر سکیں اور نہ ہی علماء میں اتنی قوت ہے کہ لوگوں کے ظاہر پر تصرف کر سکیں۔ چوتھی اور آخری سیاست واعظوں کی ہوتی ہے۔ واعظ عوام کے باطن پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس طرح غزالی کے نزدیک ملوک و سلاطین کا مرتبہ انبیاء کے بعد اور علماء و واعظین سے پہلے ہے۔ اختیارات کے لحاظ سے وہ انبیاء سے صرف اس امر میں کم ہیں کہ وہ لوگوں کے باطن پر متصرف نہیں ہوتے۔

سیاسیات کی غرض و غایت امام غزالی کے نزدیک انسان کی دنیوی و اخروی زندگی کی فلاح ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ علم سیاست کی مدد کے بغیر فلاح دارین ناممکن الحصول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر حکومت شرعی و قانونی بنیاد پر قائم ہو اور علم السیاست کے ذریعہ اس کی تکمیل کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان کا معاش و معاد خوشگوار و بہتر نہ ہو جائے۔

نظریۂ مملکت

امام غزالی پہلے مسلم مفکر ہیں جنہوں نے اجتماع کو اقتضائے فطرت انسانی کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ اس طرح انہوں

نے مثبت نظریہ پیش کیا ہے۔ ان کا پیشرو مفکر فارابی ترک حقوق باہمی کا قائل ہے۔ غزالی ارسطو کی طرح انسان کے مدنی الطبع ہونے کے دعویدار ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ انسان فطرۃً تنہا زندگی نہیں بسر کر سکتا بلکہ وہ اجتماع کا محتاج ہے اور اس کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی ہے کہ کوئی اس کا ہم جنس اس کے ساتھ رہے۔ امام صاحب انسانی اجتماع کی دو وجہ بتلاتے ہیں۔ اوّل بقائے نسلِ انسانی جو عورت و مرد کی ہم نشینی کے بغیر ممکن نہیں اور دوم اسبابِ زندگی کی فراہمی اور تربیتِ اولاد۔ پہلے سبب کا لازمی نتیجہ بچوں کی پیدائش ہوتا ہے اس لیے ان بچوں کے لیے سامان کی ضرورت ہوتی ہے اور بغیر خاص توجہ کے ان کی پرورش ممکن نہیں ہوتی لیکن ایک ہی شخص اولاد کی تربیت و حفاظت اور سامانِ غذا مہیا نہیں کر سکتا جس سے خاندان وجود میں آتے ہیں۔ پھر ایک خاندان کا یکا و تنہا زندگی گزارنا بھی ممکن نہیں کیونکہ یہ بھی کافی نہیں کہ ایک شخص اپنے زن و فرزند کو لے کر ایک مکان میں بیٹھ رہے کیونکہ اس طرح زندگی دشوار ہے اس لیے ایک جماعت کے اجتماع کی ضرورت پڑتی ہے جن میں سے ایک ایک آدمی ایک ایک صنعت اختیار کرلے۔ مثلاً ایک شخص سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ تنہا زراعت کرے کیونکہ زراعت کے آلات درکار ہوتے ہیں اور آلات کے لیے لوہار اور بڑھئی کی ضرورت پڑتی ہے پھر غذا کے لیے غلہ کا پیسنے والا اور کھانا پکانے والا ضروری ہے۔ اسی طرح لباس بھی ایک شخص تیار نہیں کر سکتا ہے اس کے لیے اول روئی کی زراعت ضروری ہے پھر کاتنے بُننے کے آلات کی ضرورت پڑتی ہے پھر ان کپڑوں کے سینے والے کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ الغرض انسان کا تنہا رہنا دشوار ہے اور بغیر اجتماع کے وہ ضروریات زندگی مہیا نہیں کر سکتا ہے۔ غزالی نے تعمیر مکانات کی ابتدا کو اس طرح ثابت کیا ہے کہ اگر یہ انسانی جماعت جنگل میں رہے تو گرمی، سردی اور بارش سے انہیں ناقابل برداشت تکلیف اٹھانی پڑے اور پھر چوروں کے ہاتھوں انہیں آئے دن نقصان پہنچے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ لوگ مستحکم مکانات بنا کر ایک ایک خاندان مع آلات و سامان کے جدا جدا رہیں۔ بعض اوقات یہ خوف رہتا ہے کہ شاید باہر سے چور آکر سب گھروں کو نہ لوٹ لیں اس کی وجہ سے فصیل و شہر پناہ کی ضرورت لاحق ہوئی۔ اس طرح شہر وجود میں آتے ہیں۔

جب شہروں میں لوگ اکٹھے ہو جاتے ہیں تو ان کے باہمی معاملات میں اکثر نزاع پڑ جاتی ہے۔ کیونکہ اجتماع میں ایک شخص دوسرے کا ولی بن جاتا ہے۔ عاقل پر سیادت و ولایت ہونے سے نزاع ضرور پیدا ہو جاتی ہے برخلاف اس کے جانوروں پر ولایت باعثِ نزاع نہیں ہوتی کیونکہ جانور تابِ مخاصمت و مقابلہ نہیں رکھتے خواہ ان پر کتنا ہی ظلم توڑا جائے۔ لیکن بیوی اپنے شوہر سے اور بیٹا اپنے باپ سے اکثر جھگڑ بیٹھتا ہے۔ اس خاندانی اور گھریلو قسم کے جھگڑوں کے علاوہ جماعت میں اور بھی جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک شہر کے باشندے دوسرے شہر والوں سے لین دین کرتے ہیں تو بعض اوقات یہ لین دین باہمی نزاع کا سبب بن جاتا ہے۔ چرواہے اور زمیندار ایک ہی چراگاہ اور زمین کے مدعی ہوتے ہیں۔ یہ چراگاہ اور زمین دونوں کی ضروریات کو پورا نہیں کرتے جس سے ان میں سے ہر

ایک اپنا قبضہ جمانے کی کوشش کرتا ہے اور جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر ان کو اسی طرح لڑنے دیا جائے تو وہ لڑ لڑ کر تباہ ہو جائیں۔ پھر نزاع ہی تک کیا منحصر ہے بعض اوقات کوئی شخص زراعت وصنعت سے کسی مرض کی وجہ سے عاجز ہوتا ہے یا ضعیف العمری کے باعث کام کرنے سے معذور ہو جاتا ہے اگر ایسا شخص یوں چھوڑ دیا جائے تو ہلاک ہو جائے اور اس کی خبر گیری اجتماع کے تمام لوگوں کے سپرد کر دی جائے تو فی الحقیقت کوئی بھی اس کا ذمہ دار نہ ہو اور اگر کسی خاص شخص کے سپرد اس کام کی انجام دہی کر دی جائے تو وہ بلا وجہ کیوں اطاعت کرنے لگا۔

باہمی نزاع پر قابو پانے کے لیے مختلف فنون پیدا ہو گئے۔ مثلاً پیمائش کے فن کی ابتدا ہوئی جس سے زمین کی مقدار معلوم ہوتی ہے تاکہ نزاع کی صورت میں زمین کی مساوی تقسیم کی جا سکے۔ دوسرا فن سپہ گری پیدا ہو گیا۔ جس کا مقصد بزور شمشیر دشمنوں اور مفسدوں سے شہر کو محفوظ رکھنا ہے۔ پھر پنچائت اور حکومت کے فن کی ابتدا ہوئی جو فصل خصومات میں مدد دیتے ہیں۔ حکومت بغیر قانون کے چل نہیں سکتی اس لیے حکومت کے وجود میں آجانے کے ساتھ ہی چوتھا فن فقہ کا پیدا ہو گیا۔ یعنی وہ قانون شرع جس سے نظم ونسق قائم ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے لوگ اپنے معاملات وشرائط کے پابند رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

اقتدار اعلیٰ

غزالی اقتدار اعلیٰ کے بارے میں نہایت واضح نظریہ رکھتے ہیں۔ اقتدار اعلیٰ کی ضرورت کے متعلق ان کا کہنا ہے کہ اجتماع کو نزاع سے محفوظ رکھنے اور بنی نوع انسان کو باہمی کشت وخون سے بچانے کے لیے متعدد فنون کے علاوہ بہت سے ایسے لائق اور قابل افراد کی ضرورت ہوتی ہے جو ان فنون میں مہارت رکھتے ہوں۔ انہیں لائق اور قابل لوگوں کے انتخاب اور تقرری کے لیے ایک فرد کی ضرورت ہے جو امام یا خلیفہ کہلاتا ہے۔

غزالی نے امامت کی اہمیت بیان کرنے میں بہت زیادہ زور بیان صرف کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ امام زمین پر اللہ کا خلیفہ ہوتا ہے اس لیے امامت نہایت زبردست عہدہ ہے۔ وہ امامت کے وجوب کو شرع سے ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں امامت ایک نہایت اہم ادارہ ہے اوّل اس لیے کہ مفاد عامہ کے حصول کا واحد ذریعہ یہی ہے اور دوسرے اس لیے کہ امام لوگوں کو نقصانات سے محفوظ رکھتا ہے۔ امام غزالی کہتے ہیں کہ اجماع سے بھی یہ امر ثابت ہے کہ بغیر امامت کے اسلامی زندگی کا تصور محال ہے۔ رسول اللہ صلعم کے وصال کے فوراً ہی بعد تمام صحابہ مختلف الخیال ہونے کے باوجود خلافت کی ضرورت پر متفق تھے۔

غزالی امامت کو نظام دین کے لیے اشد ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ نظام دین کا دارومدار نظام دنیا پر ہے اور نظام دنیا بغیر امام کے محال ہے اس لیے نظام دین ایک ایسے امام کے ذریعہ

حاصل ہوسکتا ہے جس کی لوگ اطاعت کرتے ہوں۔ اس طرح غزالی دین و سیاست کو جدا نہیں کرتے۔ وہ دونوں کو چولی اور دامن کی حیثیت دیتے ہیں اور دلیل کے طور پر وہ مشہور حدیث پیش کرتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ دین و حکومت دو توام بچے ہیں۔ دین بنیاد ہے اور حکومت اس کی نگہبان۔ اس کے باوجود دین کے مقابلے میں امام۔ صاحب سیاست کو زیادہ اہم خیال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ مقصود بالذات دین ہی ہے لیکن حصولِ دین کا ذریعہ حکومت و سیاست ہے اور بغیر حکومت کے سعادتِ اُخریٰ کا تصور ہی محال ہے۔

امام کے اوصاف

غزالی نے امامت کے مسئلہ میں بہت حد تک متضاد نظریات پیش کئے ہیں۔ اس تضاد کا سبب ان کی ہم عصرانہ سیاست ہے۔ خلیفہ خود مختار اور طاقتور بادشاہوں کے سامنے بالکل بے بس تھا اور اس کے فوجی و سیاسی اختیارات صفر کے برابر تھے۔ غزالی اپنی کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد میں امامت کا نظریہ تقریباً وہی پیش کرتے ہیں جو ماوردی کا ہے۔ جس کے لحاظ سے خلیفہ اور امام مرکزی حیثیت رکھتا ہے لیکن احیاء العلوم میں وہ خلافت کو صرف مسلمانوں کے اتحاد کی نشانی کے طور پر باقی دیکھنا چاہتے ہیں۔

غزالی نے امام کے وہی اوصاف گنوائے ہیں جو ماوردی نے بیان کئے ہیں۔ تاہم بدلے ہوئے حالات کے پیشِ نظر انہوں نے جابجا ماوردی کے بیان کردہ اوصاف میں تبدیلیاں کی ہیں۔ جہاد کے لیے ہمت و شجاعت کا مالک ہونا خلیفہ کے لیے ایک بنیادی وصف سمجھا جاتا رہا ہے۔ لیکن غزالی کے زمانے میں مستظہر باللہ (۴۸۷ھ/۱۰۹۴ء تا ۵۱۲ھ/۱۱۱۸ء) عباسی خلیفہ تھا سترہ سال کی عمر میں زمامِ خلافت اس کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ اس کے مقابلہ پر سلاجقہ کی طاقتور حکومت قائم تھی۔ اگرچہ الپ ارسلان اور ملک شاہ کا زمانہ ختم ہو چکا تھا تاہم ملک شاہ بیٹے خانہ جنگیوں کے باوجود بڑی قوت و شوکت کے مالک تھے۔ غزالی خلیفہ میں جہاد کرنے کی قوت کو ضروری نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں کہ خلیفہ کے درباریوں میں کوئی شخص ان اوصاف سے متصف ہو تو پھر خلیفہ کا کمزور ہونا بھی ضرر رساں نہیں ہے۔ غزالی سلاطین کو خود مختار و خود سر فرمانروا کے مانند نہیں بلکہ خلیفہ کے مطیع و فرمانبردار کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے ہیں۔

خلیفہ کے لیے ماوردی نے دوسری صفت اصابت رائے کو ضروری قرار دیا ہے۔ یعنی خلیفہ میں نظم و نسقِ حکومت کی صلاحیت ہو غزالی کا کہنا ہے کہ خلیفہ کے لیے یہ صفت بھی لازمی نہیں ہے۔ کیونکہ خلیفہ کو ماہر اور فرض شناس وزراء دستیاب ہو سکتے ہیں اور یہی وزراء نظم و نسقِ مملکت کو خلیفہ کی طرف سے چلا سکتے ہیں۔

ماوردی نے امام کے لیے تیسری صفت علم بتلائی ہے۔ اس کے نزدیک علم کا معیار یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے اجتہاد کیا جا سکے اور مشکل سے مشکل مقدمات کا فیصلہ کر سکے۔ غزالی کے پیشِ نظر مستظہر باللہ تھا۔ جو علم و فن کا قدر دان اور علماء و فضلاء کا سرپرست ضرور تھا تاہم اجتہاد کے درجہ تک علم نہیں رکھتا تھا۔ غزالی اجتہاد کو بھی خلیفہ

کے لیے لابدی خیال نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب شجاعت و قوت میں خلیفہ سلطان پر اعتماد کر سکتا ہے اور تدبیر سلطنت میں وہ وزراء کا دست نگر ہو سکتا ہے تو پھر دینی مسائل کے لیے وہ علماء سے مدد کیوں نہ لے۔ اسی لیے غزالی علماء سے مشورہ لینے اور ان سے ہدایت حاصل کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔ تاہم وہ خلیفہ کو علوم شرعی کے مطالعہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ خلیفہ جب تک شرعی علوم سے واقف نہ ہوگا عوام اس کی اطاعت نہیں کریں گے۔ صرف علوم شرعی کی واقفیت ہی کافی نہیں ہے بلکہ شرع کے مطابق زندگی بسر کرنا اور اس کی روشنی میں امور سلطنت کا انجام دینا بھی خلیفہ پر فرض ہے۔ ہمعصر علماء سے مشورہ لینے کے ساتھ ساتھ خلیفہ کو گزشتہ زمانے کے علماء کے وہ مشورے جو انہوں نے خلفاء کو وقتاً فوقتاً دیئے ہیں انہیں بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے اور عادل خلفاء کے اقوال کو بھی مشعل راہ بنانا چاہیئے۔

ان تین صفات یعنی شجاعت، تدبیر اور علم ایسی صفتیں ہیں جن سے رعایا و عوام بلا واسطہ بہرہ مند ہوتے ہیں۔ ان تینوں صفتوں کی عدم موجودگی میں ممکن ہے کہ افراد اچھے شہری بن جائیں لیکن وہ اچھے فرمانروا نہیں بن سکتے۔ غزالی اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے۔ اسی لیے انہوں نے ماوردی کی تیار کردہ فہرست میں ایک صفت کا اضافہ کیا ہے وہ صفت "ورع" ہے یعنی خوفِ خدا کو وہ خلیفہ کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔

ان صفات کے علاوہ غزالی نے خلیفہ کا عاقل و ذکی ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ فہم و فراست، عقل و ادراک فرمانروا کے لیے لازمی صفات ہیں۔ چیزوں کا صحیح اندازہ کرنے کا ملکہ، دور اندیشی اور اعلیٰ ترین قوتِ ارادی، حالاتِ حاضرہ کی مکمل واقفیت اور قدیم بادشاہوں کی تاریخ کا علم نیز رعایا کے ساتھ بے پناہ محبت غزالی کے نزدیک ایک خلیفہ کے بنیادی اوصاف ہیں۔ وہ خلیفہ کو اعلیٰ کردار کا مالک بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ ماوردی کی طرح وہ عدالت، تواضع، سخاوت اور رحمدلی کو فرمانروائی کا جوہر سمجھتے ہیں۔

اگر غزالی کے ہمعصر خلفاء عباسیہ کو پیش نظر رکھ کر ان صفات کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ غزالی بہت بڑی حد تک عملی دنیا سے نکل کر خیالی دنیا میں پہنچ گئے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے ماوردی کے نظریات میں بہت کچھ اصلاح کی بالخصوص ماوردی کے قائم کردہ معیار کو قابل الحصول بنانے کی کوشش کی تاہم ان کے بیان کردہ اوصاف اور اس زمانے کے خلفاء میں آسمان زمین کا فرق تھا۔ یہ خلفاء مسلوب الاختیارات تھے اور دارالخلافہ پر اغیار کا قبضہ تھا۔ ایک صدی سے اوپر وہ آل بویہ کے نظام کا شکار بنے رہے۔ غزالی کی ولادت سے صرف تین سال پہلے سلجوقیوں نے بویہیوں کو بغداد سے بے دخل کیا تھا۔ اس طرح "امیر المومنین" ایک آقا کی ماتحتی سے نکل کر دوسرے آقا کے زیر سایۂ عاطفت آ گئے۔

سلجوقی الپ ارسلان اور اس کا بیٹا ملک شاہ غزالی کے ہم عصر تھے۔ غزالی ملک شاہ کے عہد میں بغداد پہنچے۔

ان صفات کے بیان کرنے میں غالباً غزالی کے سامنے خلفائے راشدہ اور دیگر بڑے خلفاء کے علاوہ یہ دونوں سلجوقی بادشاہ بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سلطان کے وجود کو جائز خیال کرتے ہیں۔ بلکہ سلاطین کی صفات کو خلفاء کی صفات کا تکملہ و تتمہ بتلاتے ہیں۔ اور خلفاء کو اس بات کا حق دیتے ہیں کہ وہ اپنے اختیارات ایسے لوگوں کو تفویض کرے جو فی الحقیقت شوکت و قوت کے مالک ہوں۔ لیکن لوگوں کے معاش و معاد کی ساری ذمہ داری خلیفہ ہی پر ہے نہ کہ اس شخص پر جس کے سپرد اختیارات کئے گئے ہوں۔

شخصی حکومت

اسلام شخصی حکومت کو پسند نہیں کرتا۔ غزالی نے بدلے ہوئے حالات کے تحت شخصی حکومت پر مہر جواز ثبت کر دی ہے لیکن اس پر قدغن بھی بٹھا دیا ہے اور خلیفہ کے اختیارات اس قدر محدود کر دیئے ہیں کہ مطلق العنانی نام کو بھی باقی نہیں رہ جاتی۔ وہ اخلاقی بندشوں اور قانونی شکنجے میں خلیفہ کو اس طرح جکڑ دیتے ہیں کہ وہ بے دست و پا ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہے کہ امام صاحب شخصی حکومت کو جائز خیال کرتے تھے کیونکہ شخصی حکومت کی اہم ترین خصوصیت غیر محدود اختیارات ہیں جن کو وہ کسی حالت میں بھی حکمران کو سپرد کر دینے پر آمادہ نظر نہیں آتے۔ وہ مشورہ لینے کو فرمانروا کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ اور اپنی تصانیف میں بار بار اس کے لیے تاکید کرتے ہیں حتیٰ کہ سیاست سے متعلق شاید ہی ان کی کوئی کتاب ہو جس میں مشورہ کی اہمیت بیان نہ کی گئی ہو۔ تبر المسبوک میں اصول حکمرانی بیان کرتے ہوئے پہلا اصول عدل و انصاف بتلایا ہے اور اس کے بعد دوسرا ہی اصول مشورے کو قرار دیا ہے۔ ایک طرف غزالی نے سربراہ مملکت کو تاکید کی ہے کہ وہ علماء و ماہرین سے مشورہ کریں تو دوسری طرف ان علماء و ماہرین کو فرمانرواؤں سے دور بھاگنے کا حکم دیا ہے۔ ان حالات میں جہاں فرمانروا پر اخلاقی پابندیاں ہوں اور قانون نے اسے چاروں طرف گھیر رکھا ہو اور پھر وہ من مانی کارروائی کرنے کی بجائے قدم قدم پر عمائدین کی رائے کا محتاج ہو تو ظاہر ہے شخصی حکومت کا پنپنا ممکن نہیں۔

فرائض

غزالی نے خراج کی وصولی اور اس کی تقسیم، دشمنوں پر فوج کا بھیجنا، ہتھیاروں کی تقسیم نیز سمت جنگ کا تعین اور سپہ سالار اور دیگر رؤسائے جماعت کے تقرر کو سربراہ مملکت کے فرائض میں داخل کیا ہے۔ غزالی نے اس پر ایک اور فرض عائد کیا ہے وہ یہ کہ رعایا کے حالات معلوم کرے۔ وہ تفتیش حالات کے لیے خلیفہ کو مشورہ دیتے ہیں کہ روزانہ اپنا معمول بنائے کہ صبح کے وقت سیر کے لیے نکلے تاکہ مظلوم اس سے مل کر عرض حال کر سکیں۔ اس کے علاوہ دربار عام کے روزانہ منعقد کرنے کی بھی وہ تاکید کرتے ہیں جس میں ہر کس و ناکس شریک ہو سکے۔ ان کا کہنا ہے کہ بہترین فرمانروا وہ ہے جو مملکت کے خفیہ ترین حالات سے واقفیت رکھتا ہو۔ ان کا دعویٰ ہے

کہ بغیر مخبروں کے فرمانروا بغیر روح کے جسم کے مانند ہے۔ تاہم انہوں نے یہ حق نہیں دیا ہے کہ وہ لوگوں کے نجی اور خانگی معاملات کی چھان بین کرے۔ وہ اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ مشہور واقعہ بیان کرتے ہیں جب وہ دیوار پھاند کر ایک گھر میں داخل ہو گئے تھے مالک مکان نے ان کے اس رویے کے خلاف یہ کہہ کر احتجاج کیا تھا کہ آپ نے قرآنی احکامات کی خلاف ورزی کی ہے کیونکہ نجی رازوں کی جستجو اور دروازے کے سوا اور کسی راستے سے مکان میں داخلہ اور بغیر اجازت کے گھر میں گھس آنا ممنوع ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا تھا اور مالکِ مکان سے معذرت چاہی تھی۔

غزالی خلیفہ کے فرائض میں انصاف کو اولین اہمیت دیتے ہیں۔ انہوں نے اصول حکمرانی بتلائے ہیں تو اس میں سب سے پہلا اصول عدل و انصاف کو قرار دیا ہے۔ وہ فرمانروا کو بار بار یاد دلاتے ہیں کہ دنیاوی جاہ و جلال فانی ہے اور ایک نہ ایک دن اسے شہنشاہ حقیقی کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔ ان کا کہنا ہے کہ ظلم حکم الٰہی کی خلاف ورزی ہے اور بے رحمی اللہ تعالیٰ سے سرکشی کے مترادف ہے۔ عدل کی فضیلت ظاہر کرنے کے لیے غزالی بہت سی حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً ایک دن کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے اور یہ کہ قیامت کے دن سات آدمی حق تعالیٰ کے عرش کے سایہ کے نیچے ہوں گے ان میں سب سے پہلا شخص عادل بادشاہ ہوگا۔

غزالی نے سربراہ مملکت کو عدل و انصاف کی ترغیب دینے پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ اس کے لیے دس زریں اصول وضع کئے ہیں اور ہر ایک اصول کو احادیث، آثار صحابہ و تاریخی روایات سے ثابت کیا ہے۔ یہ اصول مختصراً درج ذیل ہیں:

۱۔ خلیفہ کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہو تو وہ خود کو رعیت خیال کرے اور حکمران کسی دوسرے کو سمجھے اور جو بات اپنی ذات کے لیے پسند نہ کرے وہ دوسروں کے لیے بھی نہ چاہے۔ اس اصول کی خلاف ورزی کو غزالی دغا اور خیانت کا نام دیتے ہیں۔

۲۔ اپنے دروازے پر حاجت مندوں کے اجتماع کو برا نہ سمجھے اور جب تک کسی ایک مسلمان کی بھی حاجت باقی رہے اس کے حضر سے خوف زدہ رہے اور کسی بھی کام حتیٰ کہ عبادت میں بھی مشغول نہ ہو کیونکہ کسی مسلمان کی حاجت روائی نوافل سے بہتر ہے۔

۳۔ وہ اچھا پہننے اور اچھا کھانے کی عادت نہ ڈالے اور ہر چیز پر قناعت کرے کیونکہ قناعت کے بغیر عدل ممکن نہیں۔

۴۔ ہر کام میں نرمی برتے سختی سے پرہیز کرے اور اگر کوئی سختی کرے تو اس کے ساتھ بھی لطف و کرم سے پیش آئے۔

(۵) اس امر میں کوشاں رہے کہ شرع کے حدود میں رہ کر رعایا کی خوشنودی حاصل کرلے۔ لوگوں کی زبانی تعریف سے یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ عوام اس سے خوش ہیں بلکہ نہایت معتمد لوگوں کو اس بات پر متعین کرے کہ وہ اصل کیفیت کی تحقیق کر کے اسے مطلع کریں۔

(۶) خلیفہ خلافِ شریعت کسی کی رضامندی کا خواہاں نہ ہو۔ کیونکہ جو شخص شرع کی مخالفت سے خوش ہوتا ہے اس کی ناراضگی بے اثر و بے ضرر ہوتی ہے۔

(۷) وہ حکومت کو خطرناک کام سمجھتا رہے کیونکہ خلائق کی حکومت کا بار اُٹھانا آسان کام نہیں۔ غزالی کا کہنا ہے کہ جو شخص حکومت کا حق ادا کرتا ہے وہ حق تعالیٰ سے ابدی سعادت حاصل کرلیتا ہے۔ اور جو ایسا نہیں کرتا وہ ایسی شقاوت میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے بڑھ کر کوئی اور شقاوت نہیں۔ حکومت کے خطرات سے محفوظ رہنے کے لیے غزالی دیندار علماء کی صحبت کو سربراہِ حکومت کے لیے لازمی قرار دیتے ہیں۔

(۸) خلیفہ ہمیشہ نیک اور دیندار لوگوں سے ملاقات کا شوق رکھے اور ان کی نصیحت گوشِ ہوش سے سنے، اور حریص و طامع علماء سے دور رہے کیونکہ ایسے لوگ خلیفہ کو دھوکے میں رکھیں گے۔ اور اس کی جھوٹی تعریف کر کے خوش کرنے کی کوشش کریں گے۔ غزالی نے اس سلسلے میں دیندار علماء کی پہچان بھی بتلا دی ہے وہ یہ کہ جو عالم امیر کی قربت کی پرواہ نہ کرے اور کسی حال میں بھی انصاف کا دامن نہ چھوڑے وہی دیندار کہلائے جانے کا مستحق ہے۔

(۹) سربراہِ مملکت کا صرف یہی فرض نہیں کہ خود ظلم سے باز رہے بلکہ اس پر یہ بھی واجب ہے کہ عمالِ سلطنت کو مہذب بنائے اور اگر ان سے ظلم سرزد ہو تو اپنی خفگی و ناراضگی کا اظہار کرے کیونکہ ماتحت عملہ کے مظالم کے متعلق بھی وہ جوابدہ ہے اور اس سے بازپرس کی جائے گی۔

(۱۰) خلیفہ پر تکبر غالب نہ ہو کیونکہ تکبر سے غصہ غالب ہو جاتا ہے اور غصہ انتقام لینے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ غزالی کے نزدیک عقل کا بدترین دشمن غصہ ہی ہے۔ وہ سربراہ مملکت کو تاکید کرتے ہیں کہ تمام کاموں میں رغبت عفو ہی کی جانب ہو اور بردباری کو اپنا پیشہ بنالے۔

سلطان

غزالی کے نزدیک خلفاء کے عمال میں سب سے زیادہ اہمیت سلطان کو حاصل ہے۔ ان کے نزدیک سلطان کے زمرے میں وہ اشخاص شامل ہیں جنھوں نے اپنے قوتِ بازو سے مملکت کے کچھ حصہ پر قبضہ جما لیا ہو اور وہ اپنی فوجی طاقت کے باوجود امامِ وقت کا تابع و فرمانبردار رہو۔ اور امام کا نام خطبوں میں پڑھے اور سکوں پر کندہ کرائے۔ امام صاحب آلِ عباس ہی کو خلافت کا جائز حقدار سمجھتے ہیں لیکن خلیفہ کو یہ حق بھی دیتے

ہیں کہ کاروبار مملکت کو شوکت وقوت کے مالک افراد کے حوالہ کر دے بشرطیکہ یہ افراد خلیفہ کا احترام کرتے ہوں اور ان کے زیر فرمان ہوں۔ سلاطین وامراء جب تک خلافت عباسیہ کو تسلیم کرتے رہیں غزالی کے نزدیک ان کی حکومت جائز اور قانونی ہے۔ کیونکہ اگر ان کی حکومت کو جو قوت کے ذریعہ وجود میں آئی ہو تسلیم نہ کیا جائے تو ملک میں لاقانونیت اور فتنہ و فساد کا دور دورہ ہو جائے گا۔ اور مفاد عامہ کے ادارے عضو معطل بن کر رہ جائیں گے۔ غزالی ظالم سلطان کی برطرفی کو بھی قرین مصلحت نہیں سمجھتے کیونکہ جب تک ظالم کو فوج کی حمایت حاصل رہے گی اس کا معزول کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ اگر اس کی برطرفی کی کوشش بھی کی گئی تو نتائج بڑے مہلک ہوں گے اور روئے زمین پر فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا۔ غزالی ہر قیمت پر امن و امان کو بحال رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے ثبوت میں رسول اللہ صلعم کی وہ مشہور حدیث پیش کرتے ہیں اسمعوا و اطیعوا لو استعمل علیکم عبد حبشی یعنی اگر تم پر حبشی غلام بھی حکمران بن جائے تو اس کی اطاعت کرو اور اس کا حکم مانو۔

سلطان کے فرائض میں غزالی نے قیام امن و دفع فساد، رفاہ عامہ کے کام، خلق اللہ کی محبت کو داخل کیا ہے اور عوام پر سلاطین کی فرمانبرداری ہر حال میں واجب بتلائی ہے۔

دیگر عمال حکومت

غزالی نے سربراہ مملکت کے فرائض کی ایک طویل فہرست پیش کر دی۔ ان کو اس بات کا احساس تھا کہ ایک شخص کا اتنے بہت سے کام کو انجام دینا عقلاً محال ہے اس لیے وہ حکومت کے مختلف شعبوں پر مخصوص صفات کے حامل اشخاص کے تقرر کی سفارش کرتے ہیں۔ ان کارکنوں کے لیے سرکاری خزانہ سے تنخواہ کی وصولی کو جائز بتلاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب یہ لوگ اپنے فرائض مفوضہ میں مشغول ہوں گے تو وہ نجی کاموں کی انجام دہی سے معذور ہوں گے اور چونکہ وہ خود معاش کے محتاج ہیں اس لیے ضروری ہے کہ بطور خراج کچھ ان لوگوں کو ملے تاکہ وہ اپنی ذاتی ضروریات سے بے پروا ہو کر اپنے فرائض کی انجام دہی میں مشغول ہو سکیں۔

اس طرح صیغہ خراج وجود میں آجاتا ہے۔ اس صیغے کے وجود میں آجانے کی وجہ سے بہت سے عہدیداروں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً ایک محصل درکار ہوتا ہے جو خراج کی رقم لوگوں سے عدل اور نرمی کے ساتھ وصول کرے اور پھر رقم خراج کے تعین کے لیے بھی ایک عہدیدار کی ضرورت ہے جو انصاف کے ساتھ کاشتکاروں اور مالداروں پر خراج عائد کرے۔ پھر خراج سے وصول کی ہوئی رقم کی حفاظت کے لیے ایک خزانچی ضروری ہے۔ پھر یہ رقم پڑی رہنی نہیں ہے بلکہ مستحقین میں تقسیم بھی ہونی ہے اس کے لیے بھی ایک بخشی یا قاسم مقرر ہونا چاہیئے۔

غزالی نے صوبائی حکام کے فرائض بتلانے میں بھی کوتاہی نہیں برتی۔ وہ گورنروں کو رعایا کے ساتھ نرمی کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔ غصہ کی حالت یا حرص سے مجبور ہو کر کسی حکم کے جاری کرنے کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ غزالی صوبائی

نظام کو بھی جمہوریت کے اصول پر چلانا چاہتے ہیں۔ ان کا مشورہ ہے کہ صوبے کا نظم و نسق مقامی سربرآوردہ افراد کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ وہ صرف تین شعبوں کو گورنر کی براہِ راست نگرانی میں دینا چاہتے ہیں یعنی محکمۂ خوراک محکمۂ آبپاشی اور محکمۂ دفاع۔ وہ گورنروں کو منشیات کے استعمال سے پرہیز کرنے پر بھی تاکید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شراب وغیرہ عارضی جنون کا باعث ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مجنون سے امورِ سلطنت کی انجام دہی کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔

عمال سلطنت اور امیر مملکت میں رابطہ بے حد ضروری ہے۔ غزالی وزیر کو ان دونوں کے درمیان کی کڑی بتلاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب تک خلیفہ اور دیگر عہدیداروں میں تعاون و رابطہ نہ ہو اس وقت تک سلطنت کے کاروبار کا چلنا ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ با وفا، دیانت دار، عاقل اور راز دار وزیر کی تلاش کرنے کے لیے سربراہِ مملکت کو حکم دیتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ان صفات کا حامل وزیر خلیفہ کی نامور دشمنت میں چار چاند لگا دیتا ہے۔ ایسے وزیر کی قدر کرنی چاہیئے اور حتی الامکان اسے ناراض نہ ہونے دینا چاہیئے۔

میزانیہ

غزالی نے نو سو سال پہلے ہی میزانیہ کا تصور پیش کیا تھا۔ وہ باقاعدہ آمدنی و خرچ کی مدیں بتلاتے ہیں۔ آمدنی کے سلسلے میں جائز ٹیکسوں کی وصولی پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں۔ شرعی حدود سے ایک پائی بھی زائد وصول کرنا ان کے نزدیک ناجائز ہے۔ انہوں نے حکومت کی آمدنی کی تین قسمیں بتلائی ہیں۔ پہلی قسم حلال آمدنی کی ہے جس میں مالِ غنیمت، شرعی شرائط کے مطابق وصول کردہ جرمانے اور لاوارث متوفی کی میراث شامل ہیں۔ آمدنی کی دوسری قسم حرام ہے۔ اس قسم میں مسلمانوں سے وصول کردہ خراج یا ان سے حاصل کردہ جرمانوں کی رقوم اور رشوت داخل ہیں۔ غزالی نے سربراہِ مملکت و اعیانِ حکومت کو اس قسم کی آمدنی سے بچنے کی پُر زور تاکید کی ہے اور اس کے متعلق بہت زور بیان صرف کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ غزالی نے ایسے لوگوں کو جو شاہی خزانے سے روزینہ وصول کرتے ہیں تاکید کی ہے کہ وہ رقم کی وصولیابی سے پہلے معلوم کریں کہ حرام آمدنی میں سے تو ان کو روزینہ نہیں دیا جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ وہ علماء کو حکم دیتے ہیں کہ اگر سربراہِ مملکت یا اور کوئی حاکم ان کے پاس حرام مال غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کرنے کی غرض سے بھیجے تو وہ اسے لوٹا دیں اور سربراہ مملکت کو مشورہ دیں کہ مال ان کے مالکوں کو واپس دے دیا جائے۔

حرام و حلال آمدنی کے علاوہ غزالی نے ایک اور قسم بتلائی ہے وہ مشکوک یا مشتبہ آمدنی کی ہے۔ بیگار لینے اور اس کے ذریعہ رقم حاصل کرنے کو وہ مشکوک آمدنی کہتے ہیں۔ وہ احادیث کے ذریعہ ثابت کرتے ہیں کہ ایسی آمدنی سے بھی پرہیز لازم ہے۔

غزالی نے جتنا زور جائز آمدنی پر دیا ہے اسی قدر زور جائز خرچ پر بھی دیا ہے۔ ان کے نزدیک سربراہِ مملکت کو یہ اختیار نہیں کہ خزانہ سے اپنی ذات پر کوئی رقم خرچ کرے وہ صرف مفادِ عامہ پر رعایا سے حاصل کردہ رقوم کو خرچ

کرسکتا ہے۔ جائز آمدنی اور خرچ کے سلسلے میں غزالی احادیث و خلفائے راشدین و مشاہیر سلاطین کے اقوال اور ان کے طریقہائے کار سے استدلال کرتے ہیں۔

معاشرتی طبقے

آخر میں غزالی کے معاشرتی و اقتصادی نظریات کا جائزہ بھی مفید ہوگا۔ اگرچہ ان کا تعلق بلا واسطہ سیاسیات سے نہیں ہے تاہم سماج و معاش سیاسی زندگی پر بہت حد تک اثر انداز ہوتے ہیں۔

غزالی نے پیشے کے لحاظ سے انسانوں کے تین طبقے قائم کئے ہیں۔ پہلا طبقہ کاشتکاروں، چرواہوں اور اہل حرفہ پر مشتمل ہے۔ دوسرے طبقے میں فوجی و لشکری شامل ہیں، تیسرا طبقہ اہل قلم و اہل علم حضرات کا ہے۔ غزالی کہتے ہیں کہ اہل قلم پہلے دو طبقوں میں ربط قائم کرتے ہیں اور پہلے طبقہ سے خراج وصول کرکے دوسرے طبقہ کے افراد میں تقسیم کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اہل قلم، فوجیوں سے اور فوجی کاشتکاروں سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

مبادلۂ اشیاء اور سکہ

غزالی کہتے ہیں کہ صنعت و حرفت بغیر مال و اوزار کے چل نہیں سکتے۔ وہ مال کی تعریف بہت جدید طرز پر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مال میں ایسی چیزیں شامل ہیں جو روئے زمین پر پائی جاتی ہیں اور لوگ ان سے منتفع ہوتے ہیں۔ وہ مال میں غذا، مکانات، دکان، کھیت اور لباس کو شامل کرتے ہیں۔ انہوں نے مال کے عوض مال کے لین دین کو انسانی ضروریات نیز باہمی تقسیم کار کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بعض اوقات ایسی آبادی بھی ہوتی ہے جہاں کاشتکار تو ہوتے ہیں لیکن زرعی آلات نہیں ہوتے اور بڑھئی اور لوہار بعض اوقات ایسے گاؤں میں رہتے ہیں جہاں کھیتی باڑی نہیں ہوتی تو ظاہر ہے کسان جو ہل وغیرہ کا محتاج ہے بڑھئی اور لوہار کے بغیر اپنا کام جاری نہیں رکھ سکتا اور اسی طرح بڑھئی اور لوہار غلہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ یہ باہمی ضرورت بیع و شرا کا محرک بنی۔ یعنی غلہ والا چاہتا ہے کہ اپنے پاس کی چیز دے کر آلات خریدے اور آلات بنانے والا اپنے آلوں کے عوض غلہ خریدنا چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے بازار اور منڈیاں وجود میں آئیں کیونکہ انفرادی لین دین میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ یہ ضروری نہ تھا کہ طرفین میں سے ہر ایک کو ایک ہی وقت ایک دوسرے کی چیز درکار ہو۔ مثلاً یہ بہت کم ہوتا تھا کہ جب کسان کو آلات کی ضرورت ہو تو اسی وقت لوہار اور بڑھئی غلہ کے خواہاں ہوں۔ اسی دقت اور دشواری پر قابو پانے کے لیے دکانیں اور منڈیاں قائم ہوئیں۔ پھر دیہات سے شہر غلہ لانے اور شہر سے دیہات تک آلات پہنچانے کے لیے ذرائع حمل و نقل کی ضرورت پڑی اور اکثر مالک مال کے پاس باربرداری کے جانور نہ ہوتے تو وہ ایسے لوگوں سے معاملہ کرتے جن کے پاس باربرداری کے جانور ہوتے اس طرح کرایہ اور ٹھیکہ کا طریقہ رائج ہوا۔ جب خرید و فروخت میں اضافہ ہوا تو معاملات و معاوضات میں تعین مقدار کی ضرورت لاحق ہوئی۔ دو چیزوں کے تبادلہ میں عدل و مساوات لازمی چیز ہے

ہیں۔ مساوات کے لیے ضروری ہے کہ ایسی چیز ہو جو عینی ہو، مالیت رکھتی ہو اور پائدار بھی ہو۔ معدنی اشیاء میں یہ شرطیں پائی جاتی ہیں اس لیے سونا چاندی اور تانبے کو مساوات کی غرض سے نقد مقرر کیا اور باقاعدہ سکے ڈھالے گئے۔ اس طرح غزالی نے مال کے بدلے مال کے لین دین سے لے کر سکوں کے وجود میں آجانے تک کے مختلف مراحل کا نہایت کامیاب طریقے سے جائزہ لیا ہے۔ پھر وہ سکوں کے سلسلے میں یک دھاتی سکوں کے علاوہ سہ دھاتی سکوں کا طریقہ بھی بتلاتے ہیں۔

یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ غزالی اپنے تمام پیشروؤں اور ہم عصروں سے گوئے سبقت لے گئے ہیں۔ اور ان کے سیاسی افکار میں نو سو سال گزر جانے کے باوجود تازگی پائی جاتی ہے۔

مطبوعاتِ بزمِ اقبال و مجلسِ ترقی ادب

مجلّۂ اقبال سہ ماہی - مدیر:- ایم - ایم شریف - بشیر احمد ڈار - سالانہ دس روپے -

صحیفہ سہ ماہی - مدیر:- سید عابد علی عابد - سید سجاد رضوی - سالانہ دس روپے -

میٹافزکس آف پرشیا۔	مصنفہ علامہ اقبال	۰	۰	۵
امج آف دی وسٹ ان اقبال۔	مصنفہ مظہر الدین صدیقی	۰	۰	۲
اقبال اینڈ والنٹرزم -	مصنفہ بشیر احمد ڈار	۰	۰	۶
فکرِ اقبال۔	مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم	۰	۰	۱۰
ذکرِ اقبال۔	مصنفہ مولانا عبدالمجید سالک	۰	۰	۵
اسلام اور تحریکِ تجدّد مصر میں	مترجمہ عبدالمجید سالک	۰	۰	۵
غیب و شہود -	مصنفہ سید نذیر نیازی	۰	۴	۳
حکمتِ قرآن -	مترجمہ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم	۰	۰	۱
جمالیات قرآن کی روشنی میں -	مصنفہ نصیر احمد	۰	۰	۴
فلسفۂ شریعتِ اسلام -	مترجمہ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ	۰	۰	۵
نظامِ معاشرہ اور اسلام -	مترجمہ عبدالمجید سالک و عزیز	۰	۰	۴
سائنس سب کے لیے۔	مترجمہ آفتاب حسن	۰	۰	۲۰

ملنے کا پتہ:- سکرٹری بزمِ اقبال و مجلسِ ترقی ادب - نرسنگداس گارڈن - لاہور